



منی ناول

قصہ روز

شبی بک

دوسرا حصہ

شاہوں کا شاہ مشق ہے، مدد مدد مشق  
 دربار دل میں تخت لیں ہے حضور مشق  
 صحرا نور دہلی میں کہا تا ہے قیس کو  
 کے کمرے پہ کرتا ہے دریا مجور مشق  
 فریاد تیرے احوال کا تیشہ بکی تو ہے  
 شیریں لہجے بھی کر گیا چور، چور مشق  
 شاعرانہ انداز پر لکھا ہے

راجے تیرا بھی جرم فقط کار مشق ہے  
 ہیرے اخیار سارے کا سارا قصور مشق  
 ☆☆☆☆  
 بڑی ہی مختصر کہانی تھی محبت کی..... چہرے اور  
 جسم پر جگہ جگہ تشدد کے نشانات اور سر کے زخم پر پٹیاں چار  
 ٹائٹل کے لیے محبت اپنے شاہ چہرے کے ساتھ بلند

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't



وقت ان دوروں کی یاد میں کافی گہری ہو چکی تھی لیکن انہیں  
ات کے اسٹے پر کال کمرل وینے کی بہت اس  
میں اب بھی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس کی طرف سے ہمارے بھائیوں کو ہر حال میں اپنے کے لئے کڑی نگرانی رکھنا چاہئے۔ وہ ایک فائدہ اور آئندہ دشمنوں کی ہوتی ہیں اور ویسے ہی پرہیزگار میں وہ ایک وجہ ہے کہ ان کی ایک ہی ہندوستان میں ان کے لئے بھی ہے۔ ویسے ہی، اس کی وہ باتوں میں جتنی بھی ہے ہوتے لگتے ہیں۔ وہ ایک ہی جہد میں خاموشی چھپاتی رہی، دروازہ کھولنے کی کوئی کوشش نہ کی کہ وہ جیسے بات چیت میں لیے آئے ہیں اور دروازہ کھول دیا۔ اس کی حیرت انگیز بات میں بدل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی۔

”اے تم.....“ منو نے اسے ہلکا کر دیا۔

کے کیا۔  
 کوئی کی بنیام اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ میں  
 نے تھیں تنہا اولیٰ تمہاری کال کے بعد ساری رات  
 میں ایک سے نہیں پائی صبح مجھے ہشتا بھی نہیں کہا جاتا  
 ہا تھا، مجھے سب تم سے ملنے کی جلدی تھی۔ میرے تو تعلق  
 کے لئے وہی بچے نہیں اتر رہا تھا۔ میں نے بابا جانی کی  
 بات کی کہ پیرے چھ چلوی کالج ڈراپ کر دیں۔ وہ بابا  
 کے بھائی ہوئی اندازہ کی اور اپنا بیگ اس کے بستر پر  
 بیگ کر ساتھ لیا بیوا صاحبہ میز پر رکھ کر کھولنے لگی  
 میں نے حیرت سے کہا: اے، کیا اور سن رہی ہیں  
 "میں تجھے چھ رہی ہیں۔" پھر انہوں نے سب  
 ام چھوڑ کر مجھے "ڈیر سار انشتا بے کے دیا اور کہا کہ یہ  
 ساتھ لے جاؤ، اپنی بیٹی کے ساتھ لے کھا لیتا۔" شاہ  
 میں نے فیماں برد ہوا جس میں کافی سارے آجیت  
 تھے اور دوسرے تھیں میں بہت سارے پڑھے۔ پورا  
 کرا خوشبوؤں سے جھک گیا۔ ماوی سہر قہام کر بستر پر  
 تھی۔

”اے میرے خدا! تم کیا چیز ہونے لگا؟“ منتر  
 کا یہ کلمہ ہے جس میں موجود رکبہ میں رکھ کر پائلیں اٹھا  
 دینا مذہب کی ہے۔ ————— سنہ 2022ء —————

وقت وہ مہینہ کے لیے کوئی اور سے خاندان کی لڑکیوں کو  
 دینے سے قاصر تھے۔ ایک مہینہ پہلے پہنچانے کے وہ  
 ہزار مناسب جہاز کوڑھتے تھے۔ یہاں ہر سے کنبے کی  
 لڑکیوں کو پانچ روپے کے ہر بات بدل جاتی تھے چھپائے  
 رکھنے کی انتہا شہت خانہ نے جنت لیلیٰ سے بھی کی تھی  
 اور اسے چھوٹے بھائی رحمت خان سے بھی۔ یوں دوا  
 ہاشم واپس چلی آئی البتہ مہینہ کے چھوٹے میں دوا  
 ہاشم پر بھی۔ دوا ہاشم پہنچی تو سب نے بے بیانی  
 ورتھویش کا اظہار کیا۔ مندرجہ اور آئینہ سے معلوم ہوا کہ  
 مندرجہ اس کے لیے بے حد بے رحم تھی۔ اسے بے حد  
 کوس ہوا۔ اپنے مسائل میں اچھے اسے مندرجہ کا خیال بھی  
 نہیں آتا تھا۔ خیال آتا بھی کیسے، سب کی جان بے جوئی  
 تھی۔ وہ اسی وقت اپنے خاندان رکھ کر مندرجہ کو کال کرنے  
 ارڈن کے دفتر کی طرف بھاگی۔ دوسری طرف مندرجہ  
 کی آواز سننے ہی پر رو پڑی۔

یہاں جیسی کہ تمام آبادیہ کے ہاں۔  
روت لڑی۔ بات منہ کر کے سمجھے۔ اپنا فون نمبر تک  
میں دیا۔ ویسی۔ ویسے تجربت تو بھی ماوی؟ تمہاری  
بیت تو ٹھیک تھی؟ تمہیں سب خبر تھی؟ کوئی  
تلاش تو نہیں تھا؟“ لڑتے لڑتے وہ غصہ بھول کر تشویش  
تو چنے کی تو تھی تو خود کو اس کی محبت اور خلوص  
آگے کر کے زیرِ مباحسو کیا۔ عجیب جگہ جو کہ کہانی بنائی  
رہا نہ سادی۔  
”بس سمجھ نہ پوچھو منظر۔ تمہیں تو میں نے بتایا تھا  
کی کہ وہ ایک اینڈر پرائیمری کزن کا نکاح تھا۔ میں وقت  
تھا جب ان کے حاسد کی باؤسی میں آکر بیچوئے درشتہ  
کر دیا۔ سارے خاندان میں یہی جی کزن کی بدنامی  
ہوئی وہ الگ، میرے تیا اور تانی کی طبیعت اسکی  
لڑی کہ سب کا دھماکا اسی طرف لگ گیا۔ ہم سب  
ٹھٹھے ہوتے ہیں۔ کسی کو اپنے کام کا کام، پڑھائی  
کچھ ہوش نہ رہا۔ ایسے میں بھلا میں کالج آنے کی  
کے کئے کر سکتی تھی۔ اب ذرا حالات کچھ سنبھلے ہیں تو  
آگئی ہوں۔“ کہانی کافی مضبوط تھی، منظرہ بہل گئی  
ماوی نے سکھ کر۔ اس کی۔ بلاشبہ (لا) دواور، کی

یہ بات شاہنواز کے گھر تک نہ پہنچتی تھی یہ باتیں کھانہ کی میز پر باپ شہت خان نے اپنی بہن جنت کی بات کی مدت کر کے اسے بات آگے پھیلانے سے روکا۔  
ت لی لی نے لمن ملن کر کے بچپن کا راز تو زبداور  
سے بھی قطع تعلق کر لیا۔ مرد کو عورت کے سامنے  
جو بڑے ہوتے، یہ بات شہت خان کے لیے  
شف کا باعث بھی مگر یہ تکلیف دینے والی بھی اس کی  
سکی اولاد تھی۔ جنت لی کی یہ احسان بہت تھا کہ  
نے خاندان میں ذاتی چٹاٹھ کا بہانہ بنا کر کچھ  
ت بچاں جو شہید خود نہ بچا سکی تھی۔ اس رات پہلی بار  
نے اپنے باپ اور بہنوں سے مار کھائی۔ ان کا  
بھاتا جو ان آسانی سے اتر بھی نہیں سکتا تھا تھک  
جو ہو جانے تک انہوں نے شہید کو بے دردی سے  
بٹ، باپ، جوئے، چمڑے کا کوڑا..... غرض  
جو بھی سخت چیز نظر آئی وہ اٹھا کر اسے مارتے  
وہ تم بالائے تم یہ کہ سب کو سختی سے مار کر دی کہ  
کے کے ذمہ کوئی نہ کر مہم لگایا جائے نہ جہم نہ کھو کر  
کی اس رات جو بھی کے کینوں نے کھانے کے  
جو شہید کی دلہو بیچوں سے جہم سیری کی۔ اس  
شہید کے اس عمل سے ان کے خاندان کی لڑکیوں  
فات کا پہلا بچ بویا تھا۔ اسی رات پہلی بار  
کے ایسے انجام کے بادجو ہر لڑکی نے ایک بار  
یہ سوچا تھا کہ عبادت بھی ممکنات میں سے ہے۔  
اور اس رات..... ماوی خان کی اپنے گھر اور  
نے نفرت میں کر دنا اضافہ ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆  
 پہلی ایک ہفتہ خاموشی سے گھر میں بیٹھی رہی۔  
 کراہا ابے کا گناہ نہیں دیا جائے گا لیکن  
 بعد حالات معمول پر آئے اور بے پناہ  
 ہو جانے کا پتہ چلا تو اندھا سامان سینے لگی۔ اسے  
 ہر چیز میں کمی کی بات کو اس پر اعتبار  
 بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ باپ کو اس پر اعتبار  
 کے خاتمہ کا جو مقام تھا وہ ان کے حیرت  
 انگیز کارناموں کے مقابلے میں

لیٹی تو وہ کسان بھی۔ لب خاموش اور آنکھیں تر بہتے.....  
اسے اعزاز دینا چاہیے تھا کہ سب اسی طرح ہو گا۔ وہ  
بیوقوف تو نہ تھی، انسان بھی نہ تھی..... پھر کبھی خود کو  
غافل قرار دیا چاروں کی محبت کا ستارہ اور آرزو سمجھتی تھی کہ جو  
اس کے نورانی خاندان سے ٹکرا کر پاش، پاش نہ ہوئی۔  
اس کے گھر والوں کی طرف سے انکار اور بھرپور شان واز  
سے نکاح کے منصوبے کے بعد کورٹ میں جج کے سوا اس  
کے پاس کوئی راستہ بھی تھا نہ فرید کے پاس۔ کیونکہ اس  
طرح شادی کے لیے تو فرید کے گھر والے بھی نہ  
ساتے۔ اسی لیے کورٹ میں نکاح کر کے فرید اپنے  
ساتھ لے گیا جہاں اسے ایک دوست نے عارضی طور پر  
پاش فرما کر رکھ دی۔ وہ پاش میں بھی لے جاتے جب  
بھی فرید کے خاندان والوں کے لیے انہیں وضو پکوانا  
و زراعی مشکل باہت نہ ہوتا تھا۔ عین اسی لیے اپنے خاندان  
کے اثر رسوخ کو پھر بھی بیوقوفی پر کرشمی۔ شاید ہر  
دہرے کو بیوقوف سمجھ کر اپنی ہی ایک کوشش ضرور کرنا  
چاہتا ہے۔ انہوں نے بھی کوشش کر رکھی۔  
اس کی ماں اور چچی جس دن ہاشل پہنچیں اور  
وہ انہیں وہاں نہ ملی، اس کے اگلے ہی دن اس کے  
باپ کے کارندوں نے ان دونوں کو مگر نرس سے دہلیج  
کر ان کے قدموں میں لا کر لیا۔ اس کے باپ نے  
فرید کے آگے ملائی نامہ پیکر جس پر دستخط کرنے سے  
فرید نے صاف انکار کر دیا۔ شینے نے بھی پرزور احتجاج  
کیا۔ اسے تو اس کے چچا کی مادی کے باپ نے  
بندوق کا دست مار کر دھکی کر دیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔  
اس کے بعد خیر کوٹھ کا نشانہ بنایا اور پٹیل پر ہتھول رکھ  
کر طلاق نامے پر سران کر دیے۔ فرید کو شینے سے لاکھ  
محبت تھی مگر اس کی خاطر وہ جان نہیں دے سکتا تھا  
کیونکہ وہ اپنے خاندان کا وادہ وارث تھا۔ اس لیے  
اس نے اپنی چاروں کی محبت کا گھٹا کھٹا دیا اور طلاق  
نامے پر دستخط کر کے چپ چاپ واپسی کی راہ پر قدم  
دھر دیے۔ غمخیز کے سرے زخم پر تانے لگا کر اسے  
واپس اسی دیے۔ یہ سب کیا کچھ جس سے وہ جان چھڑا کر  
بھاگی۔ مگر کام یہی تھی۔



## قصہ دل

میں نے اپنے صبح سے شام کر دیتی، اسے احساس ہی نہ ہوتا۔ اس کا ذہنی توازن دیر سے، میرے بگاڑ کی طرف رواں دواں تھا لیکن پروا کے جس دور پر پہنچا ہوا تھا، وہ بھی تو بھلا کیسے؟ کوئی اندازہ تو جان پا تا کہ وہ کس حال میں تھے۔ دن میں صرف ایک بار نوکرائی میں کھانے کی ٹرے رکھنے اور پچھلے دن کی ٹرے اٹھانے کے لیے آتی تھی اور بس.....

زندگی نے ٹمپے کے ساتھ بہت سنگین کھیل کیا تھا۔  
☆☆☆☆

افشاں نے بے حد احتیاط سے وہ خوب صورت لباس استری کر کے لیا اور شاپر میں ڈال کر بیلتے سے اپنے بیک میں رکھ لیا۔ یونیفارم پہن کر کچھ کھانے، پانی پھینکی چوہری پہنچا اور خود پر ڈھیر سارا فریوم چھڑک کر خود کو آئینے میں دیکھا اور زچہ لب لہلہ لگتا نہ لگی۔

”آج لگتا ہے میں ہواؤں میں ہوں  
اتنی خوش ملی ہے  
آج میں نہیں ہے من میرا  
آج اتنی خوش ملی ہے“

وہ آواز بہت خوش تھی کیونکہ وہ اپنی بلائیک میں کامیابیاں حاصل کر رہی تھی۔ چادر اچھی طرح طرح لپیٹ کر کھائے وہ کمرے سے نکلی تو اختر بیگم سامنے ہی برآمدے میں ستون کے ساتھ کھڑی تھیں۔ اس کے قریب سے گزرنے پر انہوں نے ہلکے سیکڑے پھر ماتھے پر تیریاں جا کر اسے ٹوکا۔

”اتنا چنچم کیوں لگا رہا ہے؟“ وہ ٹھنک کر کہی اور ناگواری سے ماں کو دیکھا مگر کوئی انا جواب دے کر وہ مصیبت بولی نہیں لے سکتی تھی۔

”غلطی سے دھکن نکل کر گر گیا تو فریوم زیادہ نکل آیا۔ اختر بیگم کی آنکھوں میں تپتی سی جھلک تھی۔  
”تو جاو جا کر دو روپے یونیفارم پہنو۔“

”وہ میلا ہے۔“ اس نے ساٹ انداز میں کہا تو اختر بیگم بے چین ہو گئیں۔ وہ نکلنے لگی تو ان کی نظر کھڑکی کی سمت گئی۔

ماہنامہ پاکستان اسلام آباد 2022

میں جا کر کون تھی وہ لڑکی جو آئینے میں استاد نظر آ رہی تھی؟ خنگ، الجھے، بکھرے، روکھے بال، زردی مائل سیاہ رنگت یا سیاہی مائل زرد رنگت..... فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ مگر کچھ حلقوں کے بچے ویرانی اور وحشت سے لبریز اندر کو دھکیلی ہوئی آنکھیں، چہرے پر جا بجا نیل، چوڑی زرد ہوٹ، سختی و جود اور شکنوں سے پر مینا پھیلا لہاں۔ یہ کس کا وجود تھا بھلا؟ یہ محبت کا وجود تھا..... محبت کا وجود محبت کا تھا؟ وہ جو شاعر کہتا ہے ناں..... کیا ملا محبت میں؟ تو اسے یہ ملا..... داغ..... گھاؤ..... اور یہ زندان.....

جناح کا بیٹا اور کائنات کا طالبہ شمیم خان..... بولی فٹ بیٹوں کی طرح اس پُرکشش زندان میں پڑی تھی، جہاں اس کی ماں تک اس کا چہرہ دیکھنے نہیں آتی تھی۔ باپ اور بھائیوں کی مار سے لگنے والے زخم ہمارم کے سر، سر کر خود ہی ٹھیک ہو گئے تھے البتہ چہرے اور جسم پر سیاہ داغ چھوڑ گئے تھے، یادگار کے طور پر جو میں جھٹھولیں اسے صرف ایک وقت کا کھانا دیا جاتا تھا تا کہ وہ زندہ تو رہے لیکن دوبارہ ایسی سنگین جڑت کی اس میں ہمت رہے نہ طاقت۔ اس کا داغ خوراک سے بس اتنی ہی قوت وصول کرے جو اس کے جسمانی افعال کو رواں رکھے میں معاون ثابت ہو، زیادہ سوچ بچار بھی وہ نہ کر سکے۔ یہ بھی اس پر بہت بڑا احسان تھا کہ اس کے اپنے ہی پریشاں سر کے لیے میں قید کیا گیا تھا۔ بس اتنا سا ظلم کیا تھا کہ پچھلے لان میں کھلنے والی اس کے کمرے کی اگلی کھڑکی کو باہر سے کھلیں ٹھونک کر بند کر دیا گیا تھا اور پھر اس پر پلستر کا لپ کر دیا گیا۔ یہ بھی اس پر احسان ہی تھا کہ اسے زندہ رہنے دیا گیا، ورنہ تو ان کے قہقہے میں کھانے کے بعد بیٹھے جیسی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے کچا پھانچا نہ شام کی خبر ہوتی۔ باہر سے آنے والی آوازوں سے وہ سن اٹھتا کہ اسے ہی لگا سکتی تھی۔ کبھی دھوکہ کے نواز پڑنے کھڑی ہو جاتی تو پھر نمازیں ہی پڑھتی چلی جاتی۔ قرآن اٹھاتی تو پھر پورا دن قرآن ہی پڑھتی رہتی۔ اگر کبھی خالی الذہن یونہی بستر پر بیٹھ جاتی تو پورا دن گزر جاتا، وہ ہلکا نیوک نہ بدلتی۔ ایک ہی رخ

وہ بری طرح رو رہی تھی، سسک رہی تھی، اپنے ماک کے آگے، اس پاک رب کے آگے جس کے آگے رونے میں اسے کبھی غار نہیں محسوس ہوئی۔ اس نے بچپن سے یہی سیکھا تھا..... وہ جو رب ہے، وہی سب ہے۔ وہ جب بھی اپنے نفس سے ہارنے لگی تو بس اس کے آگے سر ہیچو دیو جاتی۔ رات کے پچھلے پہر جب ساری دنیا مٹشی نیند سوئی تب وہ اپنے رب سے راز و نیاز کرتی۔ دنیا والوں کے لیے وہ کھلے خدا نا پرست ہو گئی تھی لیکن وہ اپنی انا صرف اپنے رب کے آگے توڑتی تھی۔ اسی لیے اس پیر روئی تھی جب اس کے آنسوؤں کا خدا کے سوا کوئی گواہ نہ ہو۔

”میں خود کو بے بس ہوتا پاتی ہوں، میں محبت کو صرف آپ کا حق سمجھتی ہوں، میں شکر ہے ذہنی ہوں۔ جس بات سے آپ نے منع کیا ہے میں اسے کرنا تو دور کی بات اس پر سوچنا بھی نہیں جانتی لیکن میرا سب کچھ جانے والے، میرا دل چاہتی رہا ہے، میرے اختیار سے نکل رہا ہے، اسے میری کی نہیں کر دے۔ مجھے اپنے پسندیدہ رنگوں میں رنگ دے۔ مجھے جیسا چاہے۔ میری محبت کے حق دار آپ اور آپ کے رسول ہیں۔ بعد میرے محرم رشتے ہیں اور یہی ہونے چاہئیں۔ میری محبت کا حق دار بس وہی ہو جسے آپ نے میرا شریک سفر جنم رکھا ہے۔ میں اپنے نفس کو اپنے مذہب کو آپ کے حوالے کرتی ہوں۔ اپنے آخری نبی علیہ السلام کے صدمے میرے دل کو ترار دے دیں، مجھے اپنی فرمانبرداری بند کی بنائیں۔“ وہ زہرا محمود..... جسے لگتا تھا کہ اس کے دل کی دنیا بدل رہی ہے۔ وہ بے سکونی کی زندگی نہیں چاہتی تھی، اسی لیے اپنے رب سے کہہ رہی تھی کیونکہ اسے ناراض کر کے بھی بھلا کبھی سکون ملا ہے.....

☆☆☆☆

ہاتھ روم سے نکل کر وہ اپنے بستر تک آئی تو گناہ غبار ادا کی طور پر ہلک کر ڈرینگ ٹیبل کے آئینے سے ٹکرا گئی۔ دھلے چمے کو دوپٹے کے پلے سے خشک کرتے اس کے ہاتھ وہیں جم گئے۔ ایک ہاتھ..... باہر کو بولو

کر ان میں کاشنا نکالنے لگی۔

”فائزہ اور آمنہ کہاں ہیں؟ اور باقی لوگوں کو بھی یہیں بلا لویا.....“ اسی وقت فائزہ اور آمنہ آگے پیچھے ہاتھوں میں نوٹھ پرش اور تولیے اٹھائے اندر نکلیں۔ ہونٹیں اور خشک کر رہ گئیں۔  
”اوسے! یہ کون لایا؟“ منزہ نے ہنس، ہنس کر انہیں بھی اپنی بے بسی کی داستان سنائی تو وہ دونوں بھی اس کا مذاق اڑانے لگیں۔

”میرا بستر زہرا فارحہ کے ناشے کا کپڑے کا؟ وہ؟“ دونوں بھی کچھ نہ کچھ لے کر آنے والی ہوں گی، تو اتنے ڈھیر پرانے کون کھائے گا؟“ آمنہ نے ٹھنڈی پرائنگی رکھ کر یوٹیو جیسوں کی طرح کہا تو منزہ نے گردن اٹھا لی۔  
”ان دونوں کو میں رات کو ہی کال کر کے منے میں لے کے کچھ اور لے کر آئیں گی۔“ ان ٹیپک کے منہ کھلی گئیں۔

”واہ رے منزہ ملی ملی، ہم تو جیسوں ڈارے باز سمجھے تھے پر تم تو پوری فم فم.....“ فائزہ نے مزاحیہ انداز میں کہا تو منزہ نے اسے ایک دھچک رسید کی۔  
”اوپنی جا کر باقی لڑکیوں کو بھی بلا لائی جو ان کے پیشانی کی زمین روز تو صرف پرائیوٹ کی خوشبو بھینکتی تھی، اس روز جب آئیٹ کی بھی خوشبو ہاتھل کے برآمدوں میں پھیلی تو دوسرے سیکھنری لڑکیوں نے بھی حملہ کر دیا۔ سب ہنس رہی تھیں، ایک دوسرے سے ٹوٹا لے جھین رہی تھیں، جھین جھین کر تھار میں اور سب کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ محبت سے، خوشی سے..... اوپنی کی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں مگر آنسوؤں کی جھلسلاہٹ سے، خوشی کے آنسو..... محبت کے آنسو..... اور محرومیوں کے..... ناتمام آرزوؤں کے آنسو.....

☆☆☆☆

یہی تو اصل محبت ہے..... جو محبوب کے ساتھ، ساتھ اس سے جڑے ہر شخص کو میرا کر دیتی ہے۔ جیسی منورہ کی محبت ماوی کے لیے تھی..... بے غرض اور معصوم۔

☆☆☆☆

ماہنامہ پاکستان اسلام آباد 2022













فریدہ خانم کا افتخار



فریدہ خانم کی زندگی کا ایک لمحہ۔ ان کی تصویر اور ان کے حوالے سے لکھی گئی عبارتیں۔

ایک بھول چکی تھی لیکن بی بی کی حالت  
دیکھ کر بونا بھول نہیں۔ اجڑا ہوا اور ڈھانچے نما  
جسمت والی بی بی جو انسان ہی لگ رہی تھی، وہ وجود  
تھا جسے نہ ماہ انہوں نے اپنے اندر سمیٹا تھا اور پاؤں،  
پاؤں چلے جی گویا تھا، خون جگر پلایا تھا اور  
پہنے لگایا تھا۔ آج اسے دیکھ کر کہیں مسکرانے تک کی  
اجازت نہ تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ چل جائے اور  
انہیں چھٹا دیکھ کر وہ بھر جائے، وہ جبرے پر پاٹ  
باڑاں پھیلانے قدم آگے بڑھتی اس کے بستر  
کے پاس آ کر بٹھ کر کہیں۔ پھر ان کے کلب لے۔  
”ہم“۔ تمہاری شادی کر رہے ہیں، تین ماہ  
کی خاموشی کے بعد کوئی بات سنی بھی تو کیا۔ دوسری  
دیکھ کر داند اس کی گھڑوں میں خوف آ گیا۔ کچھ کہنے  
کی سی مہیاں اس کے لب پر چھلانے لیکن تین ماہ کی گویا  
زندگی کے بعد الفاظ اور آواز دونوں ہی بے وقافی کر  
گئے۔ اسے لب لانے کی کوشش کرتا دیکھ کر بی بی جان  
نے شادی کی افلی اٹھا کر سر دیکھ میں سمجھ کر۔  
”کوئی سوال مت کرنا، نہ کوئی جرات۔ بس اتنا  
جان لو کہ تم بہت خوش بخت ہو لگتا ہے کچھ کر کے بھی  
بہترین برل رہا ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ واپس مڑ گئی اور  
چوٹ تک بیٹھ کر کہیں۔ کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ  
ڈالی اور نوکرائیوں کو آواز دی۔  
”نہی صائمہ۔“ تینوں دوڑی  
چلی آئیں، کمرے کا کھلا دروازہ اور اس میں بی بی جان کو  
کھڑا دیکھ کر ان کے منہ بھی پورے کھل گئے۔  
”تمہیں بی بی کو میرے کمرے میں لے جاؤ اور  
اس کمرے کی اچھی طرح صفائی کر کے رہائش کے قابل  
بنادو اور فریدہ کو میرے پاس بھیجو۔“ نوکرائیوں میں کھلبلی  
چائی۔ فریدہ بی بی جان کی خاص ملازمتچی، اس کا بلاوا  
تمینے کے لیے بھی حیران کن تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں  
سے صائمہ کے ہمراہ ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔  
☆☆☆  
قد کی تختیوں اور خوراک کی کی کی وجہ سے تمینہ  
مٹیوں کا ڈھانچا بن چکی تھی۔ اس کی حالت اس پر

آئی تھی۔ اس کے لیے اتر اتر زرق اس کے فوت  
ہو جانے کے بعد کی ماہ تک ان کے وجود میں نہ تھا  
رہا اور اس کی جدائی کو سہنا محال کر دیتا۔ وہ معمولی سی  
بچی بیمار نہ تھی کہ انہیں مبرا آ جاتا تھا۔ وہ تو بالکل بھلی  
چلتی صحت مند بچی تھی اور یہی تلقی راشدہ جیکم جیکم نہیں  
لے دیتا تھا۔ وہ احمد سے دو برس چھوٹی تھی، اس کے  
فوت ہونے کے چار سال بعد منہ پیرا ہوئی اور جب  
تک وہ نہیں ہوئی، راشدہ جیکم جیکم نہیں پائیں۔ منہ  
کی آمد نے فاریہ کی جدائی کے کھاؤ بچھڑے۔ پھر دو  
سال بعد تاثر اور اس کے دو سال بعد فطری اکا ہوئی  
تو وہ پوری طرح سنبھل گئی اور بچوں میں مصروف ہو کر  
فاریہ کا غم فراموش کر گئی۔ یہ ان کے گمان میں بھی  
نہیں تھا کہ اتنے عرصے بعد ماوی کو دیکھ کر وہ کھاؤ بچھڑ  
سے ہرے ہو جائیں گے۔ پھر دانش صاحب کی دکھائی  
راہ پر قدم، قدم چلنے ان کی پوری رات سہائی گزری۔  
☆☆☆  
تین ماہ۔ تین ماہ نہیں ہوتے۔ پہاڑ  
بچے ہوتے ہیں۔ اگر دن رات کی انتظار سے  
بات کیے بنا کسی زندان میں گزراے جائیں۔ تین  
ماہ۔ کبھی قتل زدہ ملک کے بستیوں کی نفسیات  
سمجھانے کے لیے کافی ہوتے ہیں جب چوبیس گھنٹوں  
میں صرف ایک بار کھانا کھانے کو لے۔ اور تین  
ماہ۔ بہت ہوتے ہیں ایک نابل انسان کو نفسیاتی  
مریض بنانے کے لیے۔ اس سے پہلے کہ وہ مکمل طور پر  
دماغی توازن کھو بیٹھی، اس پر بھی زندان کے  
دروازے کے دونوں پٹ پورے کھول دیے گئے۔  
اندھیرے کمرے کے اندر جب باہر کی روشنیاں داخل  
ہوئیں تو تمینہ نے بے اختیار آنکھوں پر بازو کر لیا۔  
خوشگوار ہوا کے ناموں جھونکے اندر گئے تو وہ خانقہ کی  
ہوئی۔ اس ناموں فضا میں ایک بہت نرم، مانوس سی  
سبک لہرائی تو وہ کر دے کہ اٹھ بیٹھی۔ چوٹ پر  
بی بی جان کھڑی تھیں۔ اس کی ماں۔۔۔۔۔ ان کے چہرے  
کے تاثرات عجیب تھے اور تمینہ کے عجیب تر۔۔۔۔۔ پورے  
تین ماہ بعد وہ ایک دوسرے پر کود کر باہر پھوٹ پڑی۔  
فریدہ خانم کا افتخار

ایک بچے پر ماوی کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ وہ سبک کے  
پاس آئیں تو ریک میں پانچ گلاس دھلے ہوئے رکھے  
تھے اور ان سے ٹپک پانی تار ہا تھا کہ وہ بالکل ابھی ایک  
اچھٹ منٹ پہلے ہی دھو کر ریک میں الٹائے گئے تھیں۔  
راشدہ جیکم جیکم بے اختیار مسکرائیں۔ یہ حرکت یقیناً ماوی کی  
تھی ورنہ تو منہ لگتی تھی نہ تاثر آتی کھڑ۔۔۔۔۔ اور  
پھر تاثر کو سوئے ہوئے کھٹا کر دھو چکا تھا۔ وہ اپنے  
گلاس دھو کر زپ ب مسکرائی کمرے میں داخل ہوئیں  
اور دانش صاحب کے سامنے بیٹھ بیٹھ گئیں۔  
”اب تین کیا بات ہے؟“ وہ جبرے لٹے سے  
دیکھ لگے بیٹھے تھے، سپد سے ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک نظر  
موند کر بیٹھ کر گری نیند سونی تاکہ دیکھا اور بولے۔  
”ات تو سیدھی سی ہے پیغم صاحب۔ آپ کی بی بی  
صاحبزادی تو پہلے ہی اپنی تنگی کی دیوائی ہیں، تنگی  
صاحبہ کھڑ آئیں تو آپ کو بھی اسے کرایا۔ اب جو تین  
تو آپ کے فرزند ارجمند ہیں کچھ کھانے نظر آتے ہیں،  
کچھ آپ انہیں کھلی رکھیں تو۔۔۔۔۔ راشدہ جیکم کی  
آنکھیں اور منہ دونوں کھل گئے۔  
”کیا واپسی؟“ وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ انہوں نے  
واقعی احمد پر دھیان نہیں دیا تھا۔ ان کی توجہ مکمل طور پر  
ماوی پر ہی تھی۔  
”اگر واپسی ایسا ہی ہے تو یہ تو ابھی بات ہے۔  
دانش صاحب مسکرا دیے۔ وہ فاریہ کا دھکے فراموش کر گئی  
تھیں۔ فاریہ ان کی بڑی بیٹی تھی جو احمد کے بعد اور منہ  
سے پہلے پیدا ہوئی۔ وہ اس قدر مہنی صورت کی بچی تھی  
کہ جو جو کچھ کس دیکھا ہی رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں  
منہ اور تاثر تو کچھ بھی نہ تھیں۔ وہ عادی بھی ایک فرشتہ  
صفت تھی کہ سارا دن بھی نہ اٹھاؤ تو روتی نہ تھی۔ بہر  
وقت مسکرانے والی ایسی بچی جس کی خوش چہرائی پر ہر  
فحش حیران ہوتا کہ بھلا ایسا کب ہوا ہے کہ اتنی بچی  
ہو اور اپنی ماہیات اور تکلیف بیان کرنے کے لیے بھی  
نہ نہ دے۔ وہ اپنی بھوک یا دوسری کسی بھی ضرورت کے  
لیے ڈراما منہ بسور کر ماں کو اشارہ دیتی اور اس  
لیکن وہ دلکش بچی صرف ایک سال کی عمر کھو کر جا چکی  
تھیں۔۔۔۔۔ فریدہ خانم کا افتخار



تھا۔ حسد وادیت وہ دیکھنے والی کی خوشنمائی پر چمکے کی باری آتی۔ زندگی مکمل وگزار ہو گئی تھی۔ مسلسل ایک ماہ سہ ماہی دونوں کے بعد کیے کی موت کا آغاز حشمت خان کے ہوا۔ شمعہ اپنی نانانی بھول چکی تھی اور اس کے گھر والے بھی معاف کر چکے تھے۔ لیکن حاسدین بھلائے ہیں نہ معاف کرتے ہیں۔ جب وہ جاوید خان کے ہمراہ میرے آئی تو ان دونوں کے چہرہ پر پتیلیاں، خوشی اور باہم محبت و ہم آہنگی رحمت خان، جنت کی لہجہ اور شادانواز کو بری طرح چھپی۔ وہ اسے خرم و شگفتہ بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک بہترین طعام کے بعد ان دونوں کو جنتی تحائف کے انبار کے ہمراہ رخصت کیا گیا۔ جاوید خان کو سہ ماہی کے ہر دو کوئی اور تحائف لے کر گئے۔ شمعہ نے اس کے گھر کے ہر فرد کے لیے جنتی تحائف کی خوب صورت ترین اور یادگار ترین رات بھی دوسری طرف دی رات رحمت خان اور شادانواز کے لیے کانٹوں بھری ثابت ہو رہی تھی۔

”ہماری کزنز بورڈ کے امتحان دینی ہیں اور ہم یونیورسٹی کے امتحان دیں گی، کتنے اعزاز کی بات ہے نا! ہیں تو ہم بھی فیسٹ ایئر کی طالبات لیکن ہم یونیورسٹی کی طالبات مانی جاتی ہیں۔ براؤڈ ٹوپی آہوم اکاؤنٹس“ منزہ فرخ نے گردن الٹ کر بولی تو ماویٰ جس دی۔ وہ دونوں اس وقت ساری کپ شب اور مستیاں بھلائے اور جو رے کام نہنانے میں تھیں۔ فروری کا اوائل دن تھا اور چالی عروج پر تھی۔ ہرنیچر اسائنمنٹس، ٹیسٹ اور پرائیکٹس دینے میں آگے، آگے تھے۔ پرائیکٹس بھی زور شور سے چل رہے تھے۔ آرٹ کے پرائیکٹس کے لیے لڑکیاں سب زیادہ بلکان ہوئیں کیونکہ ان میں نہروں کا اور دماغ، عقلی اور کمال اور خوب سموری رہتا۔ فروری کے آخر یا مارچ کے پہلے ہفتے میں ہی ایس کے عمومی امتحان بھی لے لے جاتے تھے۔ سب لڑکیاں اپنے مشاغل بھی

[illegible]

جادو یہ خان کے گھر والوں نے شاعرانہ دہری بانی،  
 لاکھوں کے زیورات چڑھائے، ہماری زیردست، جس  
 چوڑی دم اور جانا دمبر میں جسے، ایک، ایک سے پر  
 ہائی کی طرح پیسہ بھرا اور پورے گھر کو غنیمت  
 نصیب کرادیا اور مجھے غنیمت پر کھٹ کر روپ  
 نہیں غلت میں غنیمت کے خم وادی ہتی مجھے۔ ماویٰ کی  
 بات کی جگہ، وہ دانی فریخہ کو بولیں کی اور خود بے  
 غم کی غم کی فرسوس کر گئی۔ وہ بھی ان کے قبیلے کا تھا لیکن  
 ان کے ہاں ختیاں کس شخص، عورت اسی بے مول نہ  
 تھی۔ پانڈیاں صرف کوتاہی لڑکیوں کے لیے تھیں۔  
 ملاوی کے بعد انہیں کئے اور سہراں دونوں جگہ حیثیت  
 کے مطابق ان دیا جاتا تھا۔ غنیمت گھر کی بڑی بیوہ تھی  
 اس کا تو وجہ یہ اور تھا۔ غصہ اور اتنا تو جادو یہ خان میں  
 اس کی تھی کہ اس کا استعمال وہ کرنے جا نہیں کرتا تھا۔ وہ  
 غنیمت کے والد اور اس کا ہمراہ تھا۔ والد اور سہرا تھا، ہمہ  
 وقت ہاتھ پر تیوریاں سجائے نہیں جاتا تھا۔  
 مسکرا جاتا تھا۔ جادو یہ خان کو کھلتی ہوئی گندری رنگت  
 اسی ملاوہ کہ تو غنیمت پسند کی اسی لیے اس نے اسے  
 اتنا ہی دیا اور غنیمت بھی غنیمت کو کھلا اور کیا جاے

دلی غمخیز کو دکھ کر اسے دلی خوش ہوئی، اور وہاں کے  
دوڑی والے لیکن اس کی آنکھوں میں جا کر مریلی تھی۔ ہاں  
نے بھابی سے ملنا ساری معلوم کیا اسے وہیں۔  
"اول دن رات سے تمام عرصہ میں باغیچہ کی  
آفتوں کو چھنک کر زندگی شروع کر دیتے ہیں۔ اگر  
بھول جاؤ گے۔ جاوید اللہ اور ان کا خاندان بہت اچھا  
ہے۔ وہ ہمارے سنیے سے بہت مختلف ہیں۔ وہ تیار  
ہمارے دھرم بھر جائیں گے۔" غمخیز مسکرا دی، کہ  
وہ سبھی بھی لیکن اب بالکل خاموش ہو کر کسی  
دلی کی باتوں سے غمخیز ضرور ہوئی تھی۔

رحمت خان..... مادی کی جانب شہست خان کا  
 ہو گیا یعنی شہید کا چچا تھا جو اس پر ہوا کہ اسے  
 یہ سے طلاق دلا کر گھر لایا تھا۔ بھائی کی شہادت  
 شہست خان نے اس بار بھی اسے شہادت کے  
 احکامات میں آگے، آگے رکھا۔ جب اس کی جاوید  
 ان سے ملاقات ہوئی اور اس کا حال جان کر اس نے  
 معلوم ہوا تو وہ خود سے پاگل ہو گئے کہ شہست خان  
 سلمان کی نہیں کر سکتا تھا کہ اس شہتے نے اس کی بیٹی  
 کی زندگی سوار کر بھائی کے دل سے محبت کا پودا اور  
 اب اس دل میں حقد اور نفیض کا بیج غوغا  
 کیا تھا۔ پھر اس کی حالت شاہنواز اور جنت کی بیٹی کی  
 تھی۔ یہ تین افراد اس میں سے چھپائے رات رات  
 کاروں پر برف رہتے تھے۔  
 ”جس نے جالو کی نے میرے بیٹے کے مرنے پر  
 لک لی وہ اس کی زندگی کو سیاہ کر کے آج خود کے  
 اوڑھے سے جاوید پار ہے۔ شہست خان خود کو  
 بچانے کے واسطے جس میں بھی نہیں کسکتی تھی۔ ”جنتی  
 اور  
 سائب کی کسی پھل کے لیے خست کی تیرہ رسی کھچی اور  
 شہست خان میں سر نہ چڑھ دے۔ لیکن شہست خان شاہنواز کی  
 تھی کہ انہی کے پاس تھا۔ وہ بھی اپنی غیرت پر یہ نہ چاہتا  
 تھا کہ ان کے پاس رہا کرتا۔  
 ”تو میں سوچ رہا ہوں۔ جاوید خان تو  
 شہست خان کی کنایہ ہے۔“

حاجے جانے والے مظلالم کی داستان از غزو سناری  
تھی۔ یہ حالت ایسی تھی کہ رشتے کی فحش سے  
کسی سے ملوایا جاتا اس کے پاس کچھ بھی ملکر کے  
لی لی جانے لے فریڈ کو ان کی رشتہ پر ہانک دیا۔ وہ  
لی لی شوگر کا خیال نہ کرتی۔ مگر، ۱۳۵۵ھ، جون  
میں ایک بوجہ جات۔ فرائز ہر دو چیز جس سے اس کی  
صحت بڑی سے بہتر ہوتی اسے استعمال کروائی جانے  
لگی۔ اس کا برم بڑا کسی لیکن آخر خود بھی کراپی  
ہیستان اور نوئی پہلی کے ممبر کی بیٹی اور اندر کوئی  
تازہ زامات کو دیا کے سامنے نہیں لایا جاتا اسی لیے پہلے  
اسے انتہائی دراز رازی سے قید میں رکھا گیا اور پھر حیدر  
بہری صوفیوں کے شکات اٹھانے کے نتیجے میں دار کے  
سب سے پہلے بار میں اس کی پٹنگ کروائی لی ابھی  
شوگر اور دار کی سرسز سے فمید ایک ماہ کے اندر  
اندھر کی ترقی حالت میں واپس آئی۔ ویک اینڈ پر  
ماوی کمری کو فیبراس کی فیکٹری، دوپلی ایس۔ جو ملی  
اسے انقبوس کے پیراس کی ہوئی گی۔ اس کی لیلی  
میتاب ویزاری اڈو چھوٹا ہوئی۔ وہ فمید سے ملے کو  
میتاب ویزاری اڈو چھوٹا ہوئی۔ وہ فمید سے ملے کو  
پہلی اندری، میتاب ویزاری اڈو چھوٹا ہوئی۔ وہ فمید سے ملے کو  
رشتہ وھوٹا ہے۔ جے۔ چان اڈو چھوٹا ہوئی۔ وہ فمید سے ملے کو  
منت کر کے پہلی سے فمید والی بات کو باہر نکلتے  
روا ہوا ہے اسی لیے اب تک کی اس بات کی فمید  
ہوئی اور فمید رشتے وھوٹا ہے میں آسانی ہوگی لیابی  
جان کے فمیدان سے اور کے رشتے وھوٹا ہیں جاریہ  
خاندان وھوٹا ہے۔ رشتے وھوٹا ہے۔ رشتے وھوٹا ہے  
ایڈو فمید کی پے پورے دار کی پوری امید کو  
ہے۔ پہلی سے فمیدان کر لیا ہے وہاں کہ پورہ وھوٹا  
رہے اور فمید کا کمر میں جائے۔ وہاں کہ پورہ وھوٹا  
اور بہت ملجا ہوا لگا ہے۔ جیسا کہ پہلی ہے۔  
آخری بات پر اڈو چھوٹا ہوئی۔ رشتہ وھوٹا ہے  
جیسا کہ اس کا دل کا ہاگ ہے۔ اس فمید  
بہرے کمر میں ہے اور ہے ہوگی۔ وڈی لے دل سے  
وڈی اور فمید سے نہائی کے پیراس کی طرف چل  
وڈی اور فمید سے نہائی کے پیراس کی طرف چل



مسائل بھلا کر بخیرہ ہو گئی تھیں۔ ٹیچر نے بھی احتجاج کیا کہ  
طرف سے طالبات کو اس فیصد کو تسلیم کرنا مشکل کر دینے کا  
دباؤ تھا جبکہ یہ فیصدیں امتحانات کے بعد اپریل  
میں مکمل کر دیا جاتا۔ مگر کامیابی امتحانات کی تاریخ کا  
ہو جس میں چھٹیاں دے دی جائیں کیونکہ جون میں  
سالانہ امتحانات ہوتے تھے۔ ان چند مہینوں میں تقریباً  
ہر طالبہ اپنی بچی سے ٹالاں دیکھ کر اٹھ نکلتی۔ صرف  
ماوی اور مزہر تھیں جو اپنے کالج کی دیوائی تھیں۔ پورا  
کالج بھی ٹیچر کی یا کالج کے اصولوں کی برائیاں کرتا  
پھرے لیکن وہ دونوں ہر سخت اصول میں سے  
بھی شیت پلو کاٹ لینے میں ماہر تھیں۔  
مختصر امتحان کی ڈیٹ شیٹ نوٹس بورڈ پر لگی تو  
الوس کوں کی پریشانی کا گراف تیزی سے بلند ہونے  
چھوٹے لگا فرسٹ ایئر پیلے، پیلے تجربے کی بنا پر پانی  
کا کاسر سے زیادہ پریشان دکھائی دیتی۔ پونہ دسویں امتحان  
کی تختی اور چھپوں کے حوالے سے سناچی کو بہت کچھ  
تھا۔ کوس کی کتابیں پڑھ کر انہیں اس سے سوالات  
جواب پر اس کی کٹھن پڑھ کر انہیں اس سے سوالات  
جب یہ سنتی تھیں کہ کالج میں کوس کی کتاب لازمی نہیں  
بلکہ ہاؤس سے بھی سوال آجاتے ہیں تو ان کے ہاتھوں  
کے ٹوٹے کتاب سا اڑ جاتے۔ ان دنوں ٹیچرز  
لاٹری سے پھیلے پانچ سالہ پرے ٹکڑا کر ان میں سے  
ایک ایک سوال پڑھ کر طالبات کو سمجھاتے اور سوالات  
کیسے انوکھے رخ سے آتے ہیں، لالوکان دیکھ دیکھ کر  
خوش ہوتی رہتیں۔ ٹیچر فرسٹ ایئر پر مشتمل توجہ  
دیتے اور انہیں جواب لکھنے کا بہترین طریقہ سمجھاتے  
بہترین نوٹس کے لیے ریفرنس بکس کے نام لکھواتے،  
تب مزہر، زور و زور سے رہا، ہلا کر کہتی۔  
اس کالج کے اصول جتنے سخت ہیں لیکن  
یہاں کی ٹیچر ڈیوٹی میں نہیں ہیں کیونکہ اپنی  
مخلص، محنتی اور دوستانہ شان والی کہ بہت دیر سے  
کیے جا رہی ہیں اور اسے برکت نہیں ملتی۔ اس  
کی بات بھی موم انکس کا ماحول ہی جدا کرتا۔  
ٹیچر ڈکار دیتے بہ دوستانہ ہوتا اور طالبات کی ہر بات کو

وہ فرحان کے ساتھ گھر کے چھتے پر آئے کی  
بڑبیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ملاقات کی یہ آزادی بھی  
سے فرحان کی وجہ سے ہی حاصل ہوئی تھی جو سارے  
خاندان کا چہیتا تھا۔ خاندان کی تمام لڑکیوں کو افشاں  
سے اس بات پر حسد محسوس ہوتا تھا کہ وہ فرحان جیسے  
ملائی لڑکے کی من چاہی میگزین ہے۔ اسے اس بات پر نہ  
کوئی فرق تھا نہ خوشی لیکن خاندان والوں کو جلانے کے  
لیے وہ اس بات پر اڑائی، اڑائی کرتی۔ آخر بیگم نے  
آگے سے گزرتے ہوئے کئے دروازے کے پار  
میں بیٹھ دیکھا، مین اسی لمے افشاں کے ہاتھ  
جان کے کندھے پر ٹکا دیا۔ ان کے مقل میں اندر تک  
دواہت کل گئی۔ وہ ان کی بیٹی تھی، ان کا خون.....  
وہ اسے بہتر طور پر جانتی تھیں۔ انہیں اس پر ڈر بھی  
نہیں تھا، پورے خاندان میں فرحان ہی تھا جو نہ  
نے کیوں اور کس جذبے کے تحت اس پر اعتماد  
رہا تھا۔ جو بھی تاقین آخر بیگم کو افشاں کا فرحان  
یہ اسے افقات جھوٹا لگا اور چونکہ کسی کی نظر اسے  
وں سے پہلے بھی دیکھ رکھے تھے اس لیے انہیں اس  
را اعتماد نہیں رہا تھا۔ وہ دلوں دنیا وافیہا سے۔  
انہی ہی باتوں میں گتے۔

[illegible]

”میرے جہاں کے آگے ایک تم میرا ساتھ تمام  
 بھارت کی سندھو تھے تو میں کیسے ہی پانی بھلا۔  
 بھلا دوں کہ تم نے اس وقت میرا ساتھ دیا  
 جب نے نظریں پھیر لی تھیں۔ زندگی میں تم ہی  
 درازن ہو۔ تم جو کہو گے میں وہی کروں گی۔“  
 نے اپنی آنکھوں میں زمانے بھر کا رب بھرایا،

قصہ دل

راست چوتھی پڑی۔

”بس افغان! میں... دیکھتی مت ہوا کرو۔ میں اپنی زندگی میں تمہاری آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تم خود کسی سے مت الگنا، تمہاری ہر بات کے لیے میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں۔ ہماری شادی تمہارے ایم ٹیس سی کے بعد ہی ہوگی لیکن تم کیسویں سے بڑھائی کیا کرو۔ ساری زندگی پڑی ہے پھر جو تمہیں ہی دیکھنا ہے وہ تم ہی سے باتیں کرنی ہیں۔ لیکن ایک بات تم بھی یاد رکھنا۔“ وہ ایک چلو کا تو افغان! کی سانس کھینک کر اٹھا جبکہ ایک بوگوارہ بخوبی واقف تھی، جو وہ ہر وقت اتراتا تھا، وہاں ہر بار افغان! کو اپنا دم محسوس ہوتا۔

”کیا؟“ اس نے عاردار سوال کیا۔

☆ ☆ ☆  
اگلے ایک اینڈ پر وہ منظر دیکھ کر اس کے کمر ہنسی  
شروع ہو گیا۔ پہلے سے بڑھ کر اسے فری ہو گئی۔  
ابھی بے اختیار اس کے گلے لگی تھی اور سر میلے سے  
نے ہاتھ ملایا۔ وہ دونوں اندر گئیں تو بابا اور احمر  
سے میں بیٹھے تھے۔ پہلی بار احمر سے اسے تاثرات  
دیکر ناگوار ہو گیا۔ بابا سے سر پر ہمارے کر جب وہ  
ہوئی تو نظریں بے اختیار احمر کی نظروں سے  
وہ ٹھیک کر رہ گئی۔ تاثرات حیات نے کچھ معنی  
ارے دیے، وہ یہی طرح بیخود ہو کر سامنے سے  
اس روز بھی کے تاثرات میں کچھ افواہیں سننا  
کہ کچھ غائب ہو جانے کا سائل رہا تھا۔  
☆ ☆ ☆

سہ ماہی لکچرہ - ستمبر 2022ء



خان کی بیٹی ہوں منترہ..... تم نے ہام سن رکھا ہوگا  
لیکن اس نام کے ساتھ جڑی..... نہیں جانتا۔  
ہمارے قیل میں عورت کی حیثیت ڈھور ڈھگر سے بھی  
نیلے دوتے کی ہے۔ ظاہر ہمارے خاندان کا ایک نام  
ہے، ساکھ ہے، مرد و عورت، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں،  
ظاہر ہماری عورت پر کوئی باندھنا نہیں، آنا جانا، خوشنما  
نہنرا، پہننا اور مسنا، خرچہ پانی..... کوئی بھی چیز  
منع نہیں لیکن یہ سب دیکھا کھانے کے لیے ہے۔  
ہماری زندگیوں کی اس شکل تک ہم ہی جانتے ہیں۔“  
وہ ایک ہاتھ سے مسلسل دوسرے ہاتھ کی پتیلی کو مسلسل  
رہی تھی۔ یوں لگے پھر اس منادیا جانتی ہو لیکن انسان  
کے چاہنے سے اس کی قسمت کا لکھا مت سکنا تو نہ ہی  
سکنا مت کا تھا بلکہ.....

”ہم جو ایسے نہیں بنائے ہیں جن کا بیٹا ہو۔  
 کی ایک آنکھ کی ایک جھٹکے سے اس ایک جھٹکے کو  
 انداز کرنا گویا کبیرہ مٹانا ہے۔ ہم بننا چاہتے ہیں کہ  
 ہے اور نہ ہوتے ہیں۔ ہمارے شوہر ہمارے وجود  
 کے ایسے مالک ہیں کہ وہ ہمیں جانوروں کی طرح  
 بھجھو بھجھو دیں تو ہمیں ان کیسے کا قاتل نہیں۔“ منہ کو  
 ہاتھ لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ ”میں نے اپنے

"جیسا کہ میں....." وہ تڑپا۔  
 "جیسا بھی تو نہیں۔"  
 "باتوں میں؟"  
 "بہت فرق ہے خنزہ....." ناؤ کی جیسے بہت تھک  
 ہوئی اور ایڈ سے سر ہانے سے سر نکالیا۔ اس کی  
 آنکھیں کھڑا اور چہرہ زماؤں کی تھکن کی زردیاں سیے  
 ہو چکا۔ وہ ناؤ کی پیچھے اسے  
 دیکھنے کی جواب اس کے کمرے کی چھت کے ڈیزائن کو  
 دیکھ رہی تھی۔

”میں ملک کی چار بڑی سیاسی جماعتوں میں  
عراق کے مشہور رہنما اور قومی اسمبلی کے ممبر رحمت

”سوری،“ اُم ریلی ویری سوری ماؤلی کی بیٹھے  
 پاگل انداز میں تھا کہ تم یوں ہرٹ ہو جاؤ گی۔ بیٹھے  
 دو ٹوٹ مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے۔ بیٹھے  
 چپ ہو جاؤ۔“ وہ اس کے آنسو پونچھنے کی لیکن ماؤلی اور  
 تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ منظر سے اسے سنبھالنا محال  
 ہو گیا۔ وہ اسے کچھ کر رہتی ہستہر واپس لائی۔  
 ”ہاں آؤ، بیٹھو۔“ اسے حیرتا افسوس ہو رہا تھا  
 لیکن ماؤلی کے اسی طرح تڑپ کر رونے کی وجہ یہی اس  
 کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس نے اسے روکنے دیا۔ جب  
 وہ خوب رو چکی تو منظر نے پانی لاکر اسے پایا یا پانی کی  
 کراں اسے آنسو پونچھے اور سر جھکا کر بچوں کی طرح  
 ہنسنے لگی۔ جیسے بچے بیڑوں کی مار کھانے کے بعد خاموش  
 سر جھکانے منہ سوراخ بیٹھے جاتے ہیں۔ منظر کو۔۔۔  
 اقتدار اس پر چارہ اُتر گیا، وہ گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھ کر اس  
 کے سامنے بیٹھی۔

”میری بچپن میں ہی میرے چچا زاد کزن  
سے ہو چکی ہے منزہ۔“ منزہ کا پورا منہ گل سیاحیوں لگا  
جیسے گل میں کوئی درزر ہو گئی تھی جس سے خنک ہوا انداز

[illegible]

”مگر کیوں؟“ ”نزدہ ہی طرحے جین ہوئی“  
”کیا تمہیں احمر بھائی پسند نہیں؟ کیا ہمارا گھرانا“



[illegible]

روایتوں اور مجبور یوں میں بکڑی محبت جیسا کہ جعفر بن زید  
کیوں میں ظہور پزیر ہو اور کمرے سے باہر راتیں  
کی جیسٹ چڑھ کر محبت کا جوش بنادے، ایسی محبت محض  
زہد نہیں روزن نہیں بنا سکتی کہ کم قاتل بن جاتی  
ہے۔ وہ محبت جو وہ کسی گناہ کے مانند پکڑے مجھے دے  
دے، کیونکہ ہمارے خاندان میں مرد کی عورت سے۔  
الاطلاق محبت مردانگی کے منافی بھی جاتی ہے۔ اعتماد  
بھی بھی کرے گا۔ بندہ کر کے مکمل میرا اور کمرے  
سے باہر پکڑے۔ یہی اصول ہے، خواہ کچھ ہو جائے،  
وہ کسی میرے دکھ میں ہم راہی بن سکے گا۔ نہ درمیں  
بہرہ کی یادوں میں اسکی بزدلی محبت کا؟" وہ خاموش  
ہو گیا اور میرے ساری کائنات خاموش ہو گئی۔  
"ایسا کیوں ہے مادی؟" منظرہ کے سوال میں  
پکڑا پکڑا شخص، مادی کی ہے نفس دی۔  
"ہں، یہ اصول و قوانین ہیں ہمارے ہاں،  
رواگ کی معیار ہیں۔ میرے خاندان کی عورتیں مجھے  
مستحق ہیں یہ میں جانتی ہوں۔ سوچو یہ شخص کے  
ارے میں منظرہ نے اپنی موت کا دن پہلے سے معلوم  
ہو اس دن کے قریب آ جانے کا خوف کیا اسے بیک  
کی طرف کی ہوئی درمیان مہلت کو بھی ڈھک سے  
پہنچے دے گا؟ وہ موت سے پہلے ہی مر جائے گا۔ اس  
کی حال ہے، ہمارا بھی، ہم خوب جانتے ہیں کہ ہماری  
کل کر ماس لینے کی یہ مدت تھی ہے۔ ایسی کرب  
ک آگئی کے ساتھ اس وقت آزادی کے خوشگوار پہل  
کی خوشگوار نہیں تھیں منظرہ..... ہم، ہم، بل مرتے  
نہا رہے ہیں۔" منظرہ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کر لیا۔  
"نہا رہے ہیں، جسکی ہر جتنی جاری کی اور مادی  
کی مادی جان جان جان ان دونوں کی آنکھوں سے نیند چھین  
کر لے گئی تھی کچھ کا کچھ ہے منظرہ کے لیے پہلا جگہ  
وہ کی کوئی عبارت تھی یہی تھیں۔

جاتا ہے۔ ہمدردی کسی بھی جذبے کے لیے عمل انگیز  
 ہونے کا سہارا کرتی ہے۔ داؤنی کے لیے ان سب کے  
 دلوں میں موجود محبت کا سہارا ہمدردی کا تزکا لگا تو  
 جذبات کی شدت نقطہ ابال کو چھوئے گی۔ جب وہ  
 ہمدردی کے دوسرے سر رکھ کر روئی نصیب سے اپنی بیوہ بنا  
 لینے کے لیے طعن میں اگر چند قصیدہ بھی کوئی مذہب حاصل  
 خواہ وہ پاپ بن کر آؤں گا۔ ان کا ارادہ مزید مضبوط ہو  
 گیا۔ دانی صاحب نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر  
 اپنے ساتھ کاغذیں دلایا۔  
 اور تباری بی بی بیٹا چاہو تم پر قدم پر تہارے ساتھ ہیں  
 اور اگر آریا نہیں جانتی تھی میں سب کو سمجھاؤں گا  
 لیکن دونوں صورتوں میں ہماری مکمل حمایت تمہیں  
 حاصل رہے گی، تمہارے جانی تحفظ کی میں تمہیں یقین  
 دہانی کروا رہا ہوں۔ کریمات وہی ہے کہ جو تم چاہو گی  
 دی ہو گا تم اچھی طرح سوچ لو۔ ”جوابات ان کی ہو  
 رہے جانی نہیں، ان کی ایک بار نظر میں دخل جائے  
 تو خندوں سے سکون کا فطر کھا جاتی ہے۔ دل میں  
 ظہری ہوئی تک بن کر لٹھ اپنے حصول کے لیے  
 اکٹھی ہے۔ داؤنی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ جب  
 یکے کے لیے ان کے تھے، وہ مطمئن تھی، صابر و شاکستہ  
 اور بات قدم بھی۔ چندوں کو زبان کیا کی کہ دل کی  
 شعل کو ہوا دے گی۔ شہینہ کی آواز کہیں سے اس کے  
 گلوں میں گونجنے لگی۔  
 ”محبت ہو گئی ہے ناں۔ سپرے جیت جوتیں ملی تھی،  
 دل ہی دل تو چھوڑی نہیں جا رہی۔ تو خود جانا داؤنی، کیا  
 احتشام سے شادی کر کے اس زندان میں خوش رہو  
 گی؟ اگر تمہیں بھی فرید جیسا کوئی چاہے والا، کوئی  
 بات دہندہ مل جائے تو کیا تم اپنی دل سے احتشام کی  
 یاد پاؤ گی؟ دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دینا۔ ”اس نے  
 بجا اذکار دل پر ہاتھ رکھا اور وہ دل کی گہرائیوں سے  
 دیکھنے کے جذبات سمجھ گئی۔ اس کی ترب، اس کا جنون  
 بے پردہ ہو گیا۔ اس کا ہر طرف

کان میں کوئی۔

”جہاں خاندان والے سخت ہوں، ماحول گھٹن زدہ ہو وہیں لڑکیاں بغاوت کرتی ہیں۔ اس میں کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ بغاوت میں گھٹن کی کوڑے جہنم لگتی ہیں۔ بے جا پابندیاں بھی ایک حد تک ہی برداشت کی جاسکتی ہیں۔ برتن گھٹن سے زیادہ بھرا جائے تو چھٹکانا لازمی ہے۔ پھر پھٹک کر بننے کا راستہ نکل ہی آتا ہے، خود روچ نہو یا غلط۔“ اس کا نام آئن سن ہو گیا۔ اس بار وہ ایک اینڈر سے ہاسٹل واپس سوہان روح لگ رہی تھی۔ وہ نی بار برآمدے کی سڑکیاں اتر کر واپس چڑھی اور بار بار منظر اور اس کی کمی کے گلے لگ کر روئی۔ سب کی آنکھیں غم خیز تھیں۔ اس بار اصرار نہیں چھوڑنے جا رہا تھا۔ وہ بارے کے پاس دروازہ کھولے منتظر کھڑا بیٹھ کر دیکھ رہا تھا اور دل مغموں سے روک نہیں رہا تھا۔

”میں اس کو بہت مس کروں گی آئی، کاش میری ماں آپ بھیجی ہوئی کاش میں آپ کی بیٹی ہوئی۔ آپ نے میری محرومیں کو چکا چاندی آئی اب بہت درد ہوتا ہے۔“ وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دی تو اسٹند بیک نے اسے خود میں سمجھا لیا۔

”میں ہوں ناں جہاں ہی بنا، آئی نہیں کمی کبو مجھے۔“ اس نے آنکھیں پٹی سے بند کر کے ان کے مہراں سینے میں منہ چھپا لیا۔ بن مائے، بن مائول کے رسی میں اسے ہی سمول جھٹیں..... وہ دل اور دامن دونوں بھر لیا جاتی کی تاکہ اور دار ہے۔

”اوکے می۔“ انہوں نے خدو سے کار میں بٹھا کر یوں رخصت کیا جیسے بیٹا جاتا بنی کو سہ سال رخصت کرتے ہیں۔ سارے راستے وہ منہ نہ لگی آسٹو ہائیٹی اور ادھر کے دل میں اتاری چلی گئی۔ وہ ہاسٹل کے لیٹ پر اتاری تو اصرار اس کا بیک اٹھایا اور لیٹ تک آیا۔

”تمہارا فیصلہ جو بھی ہو، تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ



## قصہ دل

سارے عہد اور پچھلے ریکارڈ توڑ ڈالنے کے لیے پنڈال میں داخل ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆

فیروز کی گامدھلیاں پہنے بی بی نوہی دہن کے روپ میں بھی شہینہ اپنے شوہر جاوید خان کے ہمراہ اپنی خواب گاہ میں رنگفٹاٹے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ابن کے خاندان کی کوئی مرد دیکھتا تو جاوید خان کو مردانے سے انکار کر دیتا جو بچہ کے بجائے کمرے میں بیوی کے گھٹنے سے لگا ناشتا کر رہا تھا۔ مگر جاوید خان کے خاندان کے رواج اور تھے، وہاں بیوی کو حق حاصل تھا کہ وہ جیسے چاہے بیوی کو رکھیں۔ ناشتا اختتامی مراحل میں تھا جب ملازمہ شہینہ کی ساس نیلوفر بیگم کا پیغام لائی۔ انہوں نے ضروری کام سے شہینہ کو بلوایا تھا۔ وہ جلدی، چلدی چائے ختم کر کے سر پر گامدار دوپٹا بٹائے باہر نکل گئی۔ جاوید خان مسکراتی نگاہوں سے دروازے کی سمت دیکھتا تھے کہ آخری لقمے لے رہا تھا جب اس کا موبائل بجایا۔ چچا سر رمت خان کا نام دیکھ کر وہ اچھٹے کا شکار ہوا۔ ایک دن پہلے ہی تو ان سب سے تفصیلی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر یوں ان کا فون وہ بھی صبح سویرے۔ اسے لکھنے لکھنے نے آن گھیرا۔ اس نے کال ریسیو کر کے سلام کیا لیکن رحمت خان سلام دعا کے موڈ میں نہ تھا۔ اس کا انداز عجیب تھا۔

جس لڑکی کو سر آکھوں پر بٹھا رکھا ہے اس کے کردار کی اصلیت سے بھی واقف ہو یا بے خبری میں ہی مارے گئے؟ ”جاوید خان کی کشادہ پیشانی پر مل نمودار ہوئے، اس نے نوالہ واپس پیٹ میں رکھ دیا۔ ”سب ایک ہی بات کر رہے ہیں کا کا کی (چچائی)؟“ ”جہاد کی بیوی کی؟“ ”جاوید خان کے چہرے پر ناگواری چمک رہی تھی۔ ”جتنے نے جتانے والے انداز میں ایک، ایک لفظ چبا، چبا کر ادا کیا۔ ”میری بیوی، مطلب؟“ ”آپ کی؟“ ”تو بت خان کو اس کی بات بری طرح چبھی۔“

ماہنامہ پاکیزہ ستمبر 2022ء 133

”نرف دہی نہیں ہوتی، بس انہیں مونہ میں ملا ہوتا۔“ ”ہاں تو مونہ آنے درست ہے، یار کی۔“ رائے نے سچ میں اپنا حصہ ڈالا۔ ”جیدہ ہونو خاموش تھا۔ مدھی اسٹال پر پلاسٹک بی بی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے اس سے اپنا ہاتھ پڑھوانے اور خود اس کا چہرہ ہانسنے میں مصروف تھا۔ ”جیدہ بی بی، آج تو یہ کہہ کر آیا ہے، ایک ”پچھلی ہوئی“ ہے۔“ ”انتظار میں ہوں کی“ ”جیدہ والا آخر چلا نہ آیا ہے۔“ ”انتظار میں ہوں کی“ ”جیدہ سے چہرے کے۔“ ”حنان اطمینان سے کہتا دھر اُچھٹا بی بی ہوں کی۔“ ”جیدہ کے مختلف گزرتے گزرتے کیسے ہیں حالات کو لے آ رہی تھیں اور خوفزدہ ہر نیاں ایک دوسرے کے پیچھے چھٹی چھٹی پنڈال میں داخل ہوئی جا رہی تھیں۔“ ”وہ دیکھ حنا۔“ ”تیری خوفزدہ ہر نیاں۔“ ”وہ اپنی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو حنا نے چاچا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جیدہ کی گزل فریڈ سین آ گئی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف نکل گیا۔ رائے بھی حنا کے نقش پا پر چل دیا۔ ہمایوں ایک ستون سے ٹک لگا کر فرمت سے کھڑا ہو گیا اور لاشعوری طور پر اپنی لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں تسخیر تھا۔ خوف زدہ ہر نیاں کی آنکھوں میں جوش تھا اور دبا دبا اشتیاق بھی تھا۔ جیسا جیسی کی نظر میں خوب صورت لڑکیوں کے گرد طواف کر رہی تھیں۔

”سب ایک ہی بات کر رہی ہیں۔“ ”ہمایوں نے سنی سے ہنس دیا۔ ”جگ آکر وہ پاسٹری کے اسٹال پر بیٹھے سعد کے پاس جانے کی غرض سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے ٹھک کر رک جانا پڑا۔ وہ جو کوئی بھی تھی، واقعی سب سے اگست تھی۔ وہ خوفزدہ ہر نیاں بھی نہ دیکھ سکتی تھی، نہ وہ دور پر تھی نہ اُسپر، پر کچھ تو بات کی اس میں۔ ایک دقتار، دقتار اور انداز میں بے نیازی۔ ”کیسی ہی۔“ ”بی بی؟“ ”جیسی؟“ ”تو بت خان کو اس کی بات بری طرح چبھی۔“

یونیورسٹی میں اس کے کچھ کمزور پڑتے تھے اس لیے بھی فن فیر سے لطف اندوز ہونے وہاں چلا آیا تھا۔ حنا، سعد، جیدہ اور رائے اس کے ٹیکری بارڈر میں آکر اُور لڑکیوں کو تانے اور لائن مارے۔ ”جیدہ بی بی، آج تو یہ کہہ کر آیا ہے، ایک ”پچھلی ہوئی“ ہے۔“ ”انتظار میں ہوں کی“ ”جیدہ والا آخر چلا نہ آیا ہے۔“ ”انتظار میں ہوں کی“ ”جیدہ سے چہرے کے۔“ ”حنان اطمینان سے کہتا دھر اُچھٹا بی بی ہوں کی۔“ ”جیدہ کے مختلف گزرتے گزرتے کیسے ہیں حالات کو لے آ رہی تھیں اور خوفزدہ ہر نیاں ایک دوسرے کے پیچھے چھٹی چھٹی پنڈال میں داخل ہوئی جا رہی تھیں۔“ ”وہ دیکھ حنا۔“ ”تیری خوفزدہ ہر نیاں۔“ ”وہ اپنی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو حنا نے چاچا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جیدہ کی گزل فریڈ سین آ گئی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف نکل گیا۔ رائے بھی حنا کے نقش پا پر چل دیا۔ ہمایوں ایک ستون سے ٹک لگا کر فرمت سے کھڑا ہو گیا اور لاشعوری طور پر اپنی لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں تسخیر تھا۔ خوف زدہ ہر نیاں کی آنکھوں میں جوش تھا اور دبا دبا اشتیاق بھی تھا۔ جیسا جیسی کی نظر میں خوب صورت لڑکیوں کے گرد طواف کر رہی تھیں۔

”سب ایک ہی بات کر رہی ہیں۔“ ”ہمایوں نے سنی سے ہنس دیا۔ ”جگ آکر وہ پاسٹری کے اسٹال پر بیٹھے سعد کے پاس جانے کی غرض سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے ٹھک کر رک جانا پڑا۔ وہ جو کوئی بھی تھی، واقعی سب سے اگست تھی۔ وہ خوفزدہ ہر نیاں بھی نہ دیکھ سکتی تھی، نہ وہ دور پر تھی نہ اُسپر، پر کچھ تو بات کی اس میں۔ ایک دقتار، دقتار اور انداز میں بے نیازی۔ ”کیسی ہی۔“ ”بی بی؟“ ”جیسی؟“ ”تو بت خان کو اس کی بات بری طرح چبھی۔“

جگہ پر پہنچے ہوگی، نہ آگے بڑھ سکی، نہ پیچھے مڑ کر اسے جاتا دیکھ سکی۔ وہ بیک اس کے پیروں کے پاس رکھ کر مڑا اور کار میں جا بیٹھا۔ وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور دور تک جھک داریسٹک پر جاتی اس کا لڑکی کو دیکھ سکی پھر نقطہ بن کر معدوم ہو جانے پر وہ تھکے، تھکے قدموں سے آگے بڑھی اور ہائل گیٹ کے اندر قدم رکھ دیا۔

☆☆☆☆

وہ اپنے دوستوں میں راجا اندر جیسی شخصیت رکھتا تھا۔ شاہجہاں کی شخصیت پر مشن تو تھی مگر انھی نہیں کہ اس جیسا لباس سے بڑھ کے دنیا میں کوئی موجود ہی نہ ہو۔ اس سے کہیں زیادہ وجہ شخصیت کے مالک لڑکے ڈیپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ لیکن اس کے انداز میں کوئی بات تھی، کوئی خاص قسم کی متناہیت، جو متقابل کو بیکس لگتی تھی۔ اس کا پتہ نااہلیت اعلیٰ تھا، چال و حال میں رعب، انداز میں بے نیازی، آنکھوں میں غرور اور قدم اٹھانے کے انداز میں ایسا اٹھانے تھا کہ کسی بھی آنکھ پر نظر اڑا دوسری بار اس پر ضرور آتی تھی۔ حالانکہ اس کے نقوش بھی عام سے تھے اور رنگت بھی گندی۔ وہ کوئی گھام تھا نہ پوٹا نہ پوٹا۔ بس اس کا قد بہت لمبا اور جسامت کمری تھی۔ اس کے ہاں ہر انداز میں مردانہ پن جھلکتا تھا اور اسی لیے ایسے ان ہمایوں خان کی فہرست خاص کی تھی۔ خصوصاً لڑکیوں میں۔ ہمایوں خان آفریدی کو کوئی لڑکی، ”نہ نہیں کہہ سکتی تھی۔“ وہ لڑکی کی طرح تھا۔ خود سے بھی کسی کے پیچھے نہیں ہٹتا تھا لیکن جس کے پیچھے چل کر آتی تھی اسے انکار بھی نہیں کرتا تھا۔ ”مفرد“ وہ لفظ تھا جو اس کے لیے موزوں ترین تھا۔ یونیورسٹی فن فیر میں وہ اپنی خاص ڈورینگ کے ہمراہ پورے جوش و خروش سے شریک تھا۔ یہ ایک پرائیوٹ یونیورسٹی تھی جس کے فن فیر کا پورے پشاور کو کھلا دعوت نامہ تھا۔ ہرے شہرے میں جگہ جگہ پھولے پڑے تھے بورڈز اور بیٹرز کے ذریعے اشتہاری مہم چلائی گئی تھی۔ ہمایوں خود آئی ایم ایس پشاور یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا تھا لیکن اس

ماہنامہ پاکیزہ ستمبر 2022ء 133



جواب دینے کے بجائے اس کے نرم آلود لبے بالوں سے کچر کھینچ کر اتارا اور اسے بھی دوڑ پھینک دیا۔ اس کے بالوں کو کٹھی میں جکڑ کر اس کے ٹھیکے پر دوڑا کر دیا تو وہ کراہ کر رہ گئی۔

”کیا ہوا خان جی آپ.....؟“

”خاموش.....“ وہ دہاڑا تو شمینہ کی آواز میں ہی پھنس گئی۔ رحمت خان کی نشاندہی درست تھی، ثبوت شمینہ کے سر کے نیچے ٹانگوں کی صورت موجود تھا۔ ٹانگوں کے نشانات پر اس کی انگلی کا کس کسوں کر کے شمینہ منجمد ہو گئی۔ اسے احساس ہوا کہ شہیدہ حم کی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

”تمہارے سر پر یہ ٹانگے کیسے آئے؟“ اس کا چہرہ دھلے ہوئے لکھے جیسا ہو گیا۔ شمینہ ہوا اور سفید..... وہ جواب نہ دے پائی۔ جاوید نے جوتا دے کر اس کے بالوں کو چھوڑا تو وہ لڑکھڑا کر ڈر بینک نیل سے جا نکل گئی۔ بھاری چھینٹی لکڑی نے کمرے پرانے زخموں کو پھر سے تازہ کر دیا۔

”فرید کون تھا؟“ اور بس..... شمینہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکی گئی۔ اس کی آنکھوں میں ہر اس پھیل گیا۔ ایک بار پھر وہ جواب نہ دے پائی۔

”تو رحمت کا کایج کہہ رہا تھا.....“ وہ پھٹکارا اور شمینہ کی آنکھیں بے یقینی اور دکھ سے پھٹ پڑیں۔ رحمت خان، اس کا سگا چچا، اس کی سہیلی ماویٰ کا باپ، ماویٰ جو اس کی چھوٹی بہن شائستہ کی دودھ شریک بھی تھی۔ رحمت خان، وہ شخص جس سے اس کے بہت سے رشتے جڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کی بڑی بہن جیلہ کا سر بھی تھا۔ جیلہ جو ماویٰ کی بھالی تھی۔ رحمت خان وہ آخری شخص بھی نہ ہوتا جس پر وہ راز افشا کرنے کے معاملے میں شک بھی کرتی۔ اس نے شدت سے موت کی خواہش کی۔ لیکن انسان تو اپنی اگلی سانس پر بھی قادر نہیں تو مقدر پر بھلا کیسے ہاتھ رکھ دے۔ ہوئی کو بھلا کیسے جال سکتے ہیں۔ اسے دوسری بار بھی طلاق کا دھما گوانے والا رحمت خان ہی تھا۔

بھانجا..... وہ شمینہ کا بچپن کا مگیت تھا، اس کے ساتھ اس کی شادی طے تھی جب یہ اپنے کسی پار کے ساتھ ہاسٹل سے فرار ہو گئی تھی اور صرف فرار ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ نکاح بھی کر لیا تھا۔ تین چار دن بھی گزار لیے تھے۔ تمہارے جسے میں تو برتی ہوئی عورت آئی ہے جاوید خان۔ بہت افسوس ہے مجھے تمہاری بے خبری پر۔

”یہ کیا بکواس ہے؟“ وہ دہاڑا لٹا شے کی ٹرائی کو زور سے ٹھوکر رسید کی۔ جائے چٹک مگی، برتن بیج اٹھے اور شے کی ٹرائی پکے فرش پر بری طرح پھسلی ہوئی متش بزد کی پاکستی سے جا نکل گئی۔ رحمت خان نے خباثت سے بھر پور تہقید لگایا۔

”یہ بکواس نہیں سچائی ہے۔ میں ہی اسے اس طرح کے سے طلاق دلا کر گھر لایا تھا۔ حشت خان سے رشتہ طے کرتے ہوئے تمہیں بتایا نہیں یہ سب..... چی چی چی..... بڑی زیادتی کی.....“ جاوید خان کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو گیا، اس کے ماتھے کی موٹی سی رگ پھڑکنے لگی۔ ضبط کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے اس نے ایک موہومی امید کا کنارہ تھا مناجا پا۔

”میں کیسے یقین کر لوں؟ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟“

”ثبوت میرے پاس نہیں..... تمہارے ہی پاس ہے۔“ وہ بری طرح چونکا، رحمت خان اسے تفصیل بتا رہا تھا، وہ چند منٹ خاموشی سے ستار ہا پھر اس نے پوری قوت سے اپنا موہاٹل کھینچ کر دیوار پر دے مارا۔ وہ دس گڑوں میں بٹ گیا۔ اسی لمحے شمینہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سنگین تاثرات دیکھ کر کھنکھائی۔

”کیا ہوا خان جی؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ وہ جیلہ کی طرح اس پر جھپٹا اور اس کا سلیٹے سے لپٹا کا مدار دوپٹا کھینچ کر اتارا کر دوڑ پھینک دیا۔ شمینہ کا بکا رہ گئی۔ اس کا ہاتھ خوف سے سینے پر ٹھہر گیا۔ اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

”خان..... ن..... جی ی.....“ جاوید خان نے